ایمان پر حسنِ خاتمہ کے لیے زندگی کیسے گزاریں؟

عقل وشعور کو بیدار کرتی ایک علمی واصلاحی تحریر



تالیف

مفتی عبد الرحمن منیر حفظہ اللہ

خطیب جامع مسجد شرف آباد (بہادر آباد کراچی)

استاذ الحدیث جامعہ یحییٰ المدنی وجامعہ اویس قرنی

ایمان پر حُسنِ خاتمہ کے لیے زندگی کیسے گذاریں؟

تالیف

مفتی عبد الرحمن منیر حفظہ اللہ

خطیب جامع مسجد شرف آباد (بہادر آباد کراچی)

استاذ الحدیث جامعہ یحییٰ المدنی و جامعہ اویس قرنی

فہرستِ عنوانات

خطبہ مسنونہ 5

تراجم ومفاہیم 6

حرفِ آغاز 7

کامیابی کے خود ساختہ بت 7

حقیقی کامیابی کا قرآنی معیار 8

اصل منزل: انجامِ بخیر 9

نازک موڑ اور لرزہ خیز حقیقت 10

انبیاء کرام کی تڑپ اور فکرِ آخرت 12

استقامت اور دوامی عمل: ایک کٹھن آزمائش 14

تلقینِ میت اور بدلی ہوئی روایات 17

موت کی یاد: غفلت کا علاج 18

نیند: موت کی روزانہ یاد دہانی 19

ہدایت کا نور اور بیداریِ شعور 21

موت کے بعد کی بیداری 22

انجام کا دارومدار زندگی کے طور طریقے پر 23

خطبہ مسنونہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ-

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ- آل عمران(آیت185)

وقال اللّٰه تعالى فى مقامٍ آخر :

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِه وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ- آلِ عمران(آیت102)

وقال النبى ﷺ: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ- (بخارى: 6493)

صدق اللّٰه العظيم وصدق رسوله النبى الكريم-

تراجم ومفاہیم

ترجمہ آیت:1۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

(آل عمران :آیت 185)

ایک اور مقام پر اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

ترجمہ آیت:2۔ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو"۔

(آلِ عمران :آیت 102)

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

ترجمہ حدیث: اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔

(بخاری شریف : حدیث نمبر6493)

حرفِ آغاز

کامیابی کے خود ساختہ بت

ہمارے معاشرے کا ایک المیہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے اور سوسائٹی کے اندر کامیابی کا تصور بہت خلط ملط ہو گیا ہے۔ مسلمان، اسلام کے نام لیوا اور مذہب کے علمبر دار اپنی سادہ لوحی اور خوش فہمی میں جس چیز کو کامیابی کا معیار اور مدار سمجھ رہے ہیں، حقیقت میں وہ کامیابی ہے ہی نہیں۔ ہم نے کامیابی کے اپنے طور پر کئی بت تراش لیے ہیں؛ کسی کے نزدیک کامیابی کا معیار کچھ ہے اور کسی کے نزدیک کچھ۔ عام طور پر دنیا میں اسے کامیاب سمجھا جاتا ہے جس کے پاس پیسہ بہت ہو، مال و دولت کی ریل پیل ہو، نوکر چاکر ہوں اور وہ اپنی ہر خواہش کو پلک جھپکتے ہی پورا کر لینے کی قدرت رکھتا ہو۔

کچھ لوگوں نے کامیابی کا یہ بت گھڑ لیا ہے کہ جس کی عزت عروج پر ہے، وہی کامیاب ہے۔ کسی نے بڑے عہدے اور منصب کو کامیابی کی معراج سمجھ لیا ہے، تو کسی کی نظر میں چمکتا ہوا کاروبار اور بہترین سرمایہ کاری ہی کامیابی کا معیار ہے۔ یہ کامیابی کے وہ تمام پیمانے ہیں جو ہم نے خود وضع کیے ہیں اور اسی غلط فہمی کے جال میں اہل ایمان بھی پھنس

گئے ہیں کہ آخر کامیاب شخص کسے کہتے ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کی ذات سب سے سچی ہے، وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا، اللہ کی ذات سچی ہے اور اس سے بڑھ کر سچی بات کسی کی نہیں ہو سکتی۔

حقیقی کامیابی کا قرآنی معیار

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کامیابی کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ ہمارے تراشیدہ بتوں پر ایک ضرب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

"جس شخص کو اللہ نے (قیامت کے دن) جہنم سے بچا لیا اور جنت میں داخل کر دیا، وہی حقیقت میں کامیاب ہے"۔

کامیاب وہ نہیں جسے میں سمجھ رہا ہوں یا جسے آج کے دور کے اہل عقل یا نام نہاد مذہب کے علمبردار سمجھ رہے ہیں، بلکہ کامیابی کا حقیقی معیار وہی ہے جو اللہ نے طے کر دیا ہے کہ جو جہنم سے بچ کر جنت کا راہی بن گیا، وہی کامیاب ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے "بڑی کامیابی" کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

اللہ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا کامیاب وہ شخص ہے جسے اللہ کی رضامندی کا پروانہ مل جائے۔ جس سے اللہ راضی ہو گیا، اس سے گویا کائنات راضی ہو گئی، اور جس سے اللہ ناراض ہوا، اس سے سب ناراض ہو گئے۔

اصل منزل: انجامِ بخیر

اس حقیقی کامیابی تک پہنچنے کے لیے اہل ایمان کو ایک دشوار گزار گھاٹی سے گزرنا ہوتا ہے۔ وہ کٹھن مرحلہ یہ ہے کہ جو زندگی ایمان اور اسلام پر گزر رہی ہے، اس کا اختتام بھی ایمان اور اسلام پر ہی ہو۔ شریعت کے اندر اصل اعتبار انسان کے "انجام" کا ہے۔ ایک انسان پوری زندگی کیا کرتا رہا، اس سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اس کا خاتمہ کس حال میں ہوا۔ اسی حقیقت کو حضورِ اکرم ﷺ نے نہایت جامع جملے میں بیان فرمایا:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ--یعنی اعمال کا دارومدار ان کے انجام پر ہے۔

جس کا انجام اچھا ہوا، اس کی آخرت سنور گئی اور وہی حقیقی معنوں میں کامیاب ٹھہرا۔

انسان کے اعمال کا انجام کتنا اہم ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ایک شخص کی پوری زندگی بہت اچھی گزرے، وہ بظاہر نیکیوں کے راستے پر چلتا رہے، لیکن اگر آخری وقت میں وہ پٹڑی سے اتر جائے تو اس کی تمام سابقہ محنت ضائع ہو سکتی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ جب انسان ہدایت کے راستے سے پھسلتا ہے تو اسے خود بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ گمراہی کی طرف جا رہا ہے، اور اس نازک وقت میں کوئی اسے بتانے والا بھی نہیں ہوتا۔ ایسی صورتحال میں بڑے بڑے دعوے کرنا، اپنے علم کے چرچے کرنا یا خود کو بہت عقل مند ثابت کرنا بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ اللہ نہ کرے کہ پوری زندگی "اللہ اللہ" کرتے گزرے اور آخری ایام میں زبان سے کوئی غلط جملہ نکل جائے یا انسان کسی غلط عمل کا شکار ہو کر ایمان سے محروم ہو جائے۔

نازک موڑ اور لرزہ خیز حقیقت

اسی لرزہ خیز حقیقت کو بخاری اور مسلم کی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے قسم کھا کر یوں بیان فرمایا ہے:

"فَوَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ، إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا"۔

اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے کوئی شخص زندگی بھر جنتیوں والے اعمال کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، لیکن پھر اس کی تقدیر (جو لکھی جا چکی ہے) غالب آجاتی ہے اور وہ جہنم والوں کا کوئی عمل کر بیٹھتا ہے اور اسی حال میں مر کر جہنم میں چلا جاتا ہے۔

اس کے برعکس اللہ کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ:

"وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا"۔

یعنی کوئی شخص زندگی بھر جہنمیوں والے کام کرتا ہے، یہاں تک کہ موت

اور اس کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر وہ جنت والوں کا کوئی عمل (توبہ یا ایمان) کر لیتا ہے اور مرتے ہی سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے۔

یہ حدیث ہمیں اس خوش فہمی سے نکالنے کے لیے ہے کہ اگر آج ہم ہدایت پر ہیں تو اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ کل بھی اسی پر رہیں گے۔ شریعت میں اصل اعتبار انجام کا ہے؛ ایک کافر اگر مرنے سے پہلے سچے دل سے کلمہ پڑھ لے تو وہ جنتی ہے، اور ایک عمر بھر کا مؤمن اگر آخری وقت میں کفر اختیار کر لے تو وہ جہنمی ہے۔

انبیاء کرام کی تڑپ اور فکرِ آخرت

یہی وجہ ہے کہ ہم نمازوں اور دعاؤں میں کثرت سے "حسنِ خاتمہ" کی دعا مانگتے ہیں۔ یہ وہ دعا ہے جو کائنات کے سب سے زیادہ عقل مند اور روشن خیال لوگوں یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام کی بھی سنت رہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کو دیکھیے؛ وہ کنویں میں ڈالے گئے، غلام بنا کر بیچے گئے اور پھر مصر کے بادشاہ بن گئے۔ لیکن اتنے بڑے عروج پر پہنچنے کے بعد بھی ان کی دعا کیا تھی؟"

رَبِّ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ"۔

اے میرے رب! مجھے موت اس حال میں دینا کہ میں اسلام پر ہوں اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دینا۔

جب وہ ہستیاں جن پر وحی نازل ہوتی تھی، ان کا خوف اور فکرِ خاتمہ ایسا تھا، تو ہم جیسے گناہ گاروں کو کس قدر ڈرنا چاہیے۔ خود نبی کریم ﷺ کی دعاؤں میں یہ فکر نمایاں ملتی ہے۔ طبرانی کی حدیث کے مطابق آپ ﷺ کی ایک بہترین دعا یہ تھی:

"اللَّهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِي آخِرَهُ، وَخَيْرَ عَمَلِي خَوَاتِمَهُ، وَخَيْرَ أَيَّامِي يَوْمَ أَلْقَاكَ فِيهِ"-

اے اللہ! میری عمر کا بہترین حصہ اس کا آخری حصہ بنا دے، اور میرے اعمال میں سے بہترین عمل وہ بنا دے جو میرا آخری عمل ہو، اور میرے تمام دنوں میں سے بہترین دن وہ بنا جس دن میں تجھ سے ملاقات کروں۔

آپ ﷺ نے اس گمراہی سے پناہ مانگی جو ہدایت پا لینے کے بعد انسان کو گھیر لیتی ہے:

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ"-

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں ہدایت کے بعد

دوبارہ گمراہی کی طرف لوٹ جاؤں۔

استقامت اور دوامی عمل: ایک کٹھن آزمائش

آپ ﷺ کی ایک اور کثیر التعداد دعا یہ تھی:

"يَا مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ"۔

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی اطاعت پر جما دے۔

قرآنِ پاک نے بھی ہمیں یہی سکھایا ہے:

"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ"۔

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دینا اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی سب کچھ عطا کرنے والا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک میں چند سفید بال دیکھے تو عرض کیا کہ آپ بوڑھے ہو رہے

ہیں، کس چیز نے آپ کو بوڑھا کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"شَيَّبَتْنِي سُورَةُ هُودٍ"---مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ سورہ ہود کی اس آیت نے آپ ﷺ پر گہرا اثر کیا جہاں فرمایا گیا:

"فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ"-

یعنی اے نبی! جو حکم دیا گیا ہے اس پر جم جایئے۔

ایمان اور نیک عمل کرنا اتنا بڑا کمال نہیں جتنا اس پر مرتے دم تک جمے رہنا کمال ہے۔

اسی لیے فرمایا گیا:

"أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ"-

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو مستقل ہو، اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

نیکی کا ایک دن ہونا اور دوسرے دن نہ ہونا کمال نہیں، بلکہ اس کا پائیدار ہونا اصل ہے۔

ہم میں سے ہر ایک کے دل میں حسنِ خاتمہ کی تڑپ ہونی چاہیے، کیونکہ اصل کامیابی زندگی کی رونقیں نہیں بلکہ اس کا وہ انجام ہے جو ایمان پر تمام ہو۔

بندہ جب بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچتا ہے تو تقاضا تو یہ ہے کہ وہ اللہ کے اور زیادہ قریب ہو جائے، لیکن اپنی زندگی پر نظر ڈالنے سے اکثر یہ دکھ ہوتا ہے کہ انسان اللہ سے مزید دور ہو گیا ہے۔ حالانکہ بڑھاپا تو اللہ کے قریب کرنے اور انسان کو خبردار کرنے کے لیے آتا ہے۔ سر اور داڑھی کے یہ سفید بال درحقیقت "نذیر" (ڈرانے والے) ہیں کہ ہمارا رختِ سفر قریب ہے اور کسی بھی وقت واپسی کا بلاوا آسکتا ہے۔ لہٰذا، ہر ایمان والے کے دل میں یہ تڑپ اور جستجو ہونی چاہیے کہ: "اے اللہ! ہمارا انجام اچھا ہو جائے، ہماری عمر کا آخری حصہ بہترین ہو جائے اور ہمارا خاتمہ گناہوں سے بچتے ہوئے ہو"۔ اگر یہ سچی تڑپ موجود ہو تو اللہ کی ذات سے پوری امید ہے کہ وہ "حسنِ خاتمہ "نصیب فرمائیں گے۔

کلمہ محض زبان سے پڑھ لینا کافی نہیں ہے، کیونکہ اصل امتحان آزمائش کے وقت ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ایک استاد کا واقعہ سبق آموز ہے جنہیں پرندے پالنے کا شوق تھا اور شاگردوں نے انہیں ایک بولنے والا طوطا تحفے میں دیا تھا۔ وہ استاد اکثر توحید اور "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کا درس دیا کرتے تھے اور وہ طوطا بھی سن سن کر "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" رٹ گیا تھا۔ ایک دن شاگردوں نے دیکھا کہ استاد صاحب رو رہے ہیں کیونکہ طوطا مر گیا

ہے۔ شاگردوں نے تسلی دی کہ ہم دوسرا طوطا لا دیں گے، لیکن استاد صاحب نے فرمایا کہ میں طوطے کے مرنے پر نہیں، بلکہ اس بات پر رو رہا ہوں کہ یہ پوری زندگی کلمہ پڑھتا رہا مگر جب بلی نے اس پر حملہ کیا تو یہ صرف چیختا رہا اور اس کی زبان سے کلمہ نہیں نکلا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا کلمہ صرف زبانی تھا، اس کے دل کے اندر توحید کی معرفت نہیں تھی۔ انسان کو چاہیے کہ وہ صرف نام کا نہیں بلکہ دل اور جذبات سے ایمان والا ہو تا کہ انجام کے وقت ایمان اس کا ساتھ دے۔

تلقینِ میت اور بدلی ہوئی روایات

حدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہے:

"مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ"

جس کا آخری کلام لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہو، وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حکم دیا:

"لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ"

جب دیکھو کہ کسی کی موت کا وقت قریب ہے تو اسے کلمے کی تلقین کرو۔

تلقین کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سامنے کلمہ پڑھا جائے، اسے پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے تاکہ وہ تکلیف کی شدت میں انکار نہ کر دے۔ افسوس کہ اب اسلام کی یہ زریں روایات ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ پہلے لوگ گھروں میں فوت ہوتے تھے، اب ہسپتالوں میں دم توڑتے ہیں جہاں ڈاکٹر اپنوں کو پاس نہیں جانے دیتے۔ جس وقت ماں باپ کو اولاد کی تلقین کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ وہ دنیا سے جاتے ہوئے اللہ کی توحید کا اعتراف کر لیں، اس وقت ہسپتال کے ضوابط آڑے آجاتے ہیں۔

موت کی یاد: غفلت کا علاج

زندگی کا آغاز بھی اللہ کے نام سے ہونا چاہیے اور اختتام بھی۔ اسی لیے بچے کو سب سے پہلے "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" سکھانے اور مرنے والے کو اسی کی تلقین کا حکم ہے۔ لفظ "اللہ" ایسا بابرکت ہے کہ اگر انسان غفلت سے بھی یہ نام لے تو اس کے اثرات دل پر مرتب ہوتے ہیں۔ حسنِ خاتمہ کے لیے دوسرا بڑا سبب "موت کا استحضار" ہے۔ ہم دنیا میں ایسے مگن ہیں کہ موت کا خیال ہی نہیں آتا، بلکہ موت کے ذکر کو ڈپریشن کا باعث سمجھ کر ٹال دیتے ہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ"

(لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو)۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ حقیقتیں تمہیں معلوم ہو جائیں جو میں جانتا ہوں، تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ۔ موت ایک ایسی زمینی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی کافر یا ملحد بھی نہیں کر سکتا؛ جب اللہ کے رسول ﷺ اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہے تو میں اور آپ کیسے رہ سکتے ہیں؟

نیند: موت کی روزانہ یاد دہانی

اللہ تعالیٰ کا نظام ہمیں روزانہ موت کی یاد دلاتا ہے۔ جب انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے تو وہ درحقیقت موت سے ہی بچ کر اٹھتا ہے، اسی لیے دعا سکھائی گئی:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ"

(تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)۔

یہ دعا ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ایک دن ایسی نیند آئے گی جس کے بعد بیداری براہِ راست

قیامت میں ہو گی۔ قرآنِ کریم کے مطابق نیند بھی ایک موت ہے:

"اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا"۔

جب انسان سوتا ہے تو اللہ اس کی روح قبض کر لیتا ہے، پھر جس کی زندگی باقی ہو اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے اور جس کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہو اسے روک لیا جاتا ہے۔ لہٰذا، ہر صبح کی بیداری کو اللہ کا انعام سمجھ کر ہمیں اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیے۔

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے کہ جب وہ آجائے تو اس کے بعد دوبارہ دنیا میں واپسی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ قرآنِ مجید نے اس کے بعد کی کیفیت کو "وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ" کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ اب براہِ راست قبروں سے اٹھنا اور اللہ کے سامنے پیش ہونا ہو گا۔ ہم اکثر کہتے ہیں کہ فلاں شخص "مرتے مرتے بچ گیا"، لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے جملے کہنے والے بھی آخر کار بچتے بچتے ایک دن مر ہی جائیں گے۔ یہ چار دن کی مختصر زندگی دراصل ایک موت کی مار ہے، اور حسنِ خاتمہ کے لیے اس موت کا ہمہ وقت استحضار نہایت ضروری ہے۔

ہدایت کا نور اور بیداریِ شعور

جب قرآنِ مجید کی یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

" فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ "

پس جس شخص کو اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! سینہ کھلنے سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک "نور" ہوتا ہے جو اللہ بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ صحابہ نے اس کی نشانی پوچھی تو آپ ﷺ نے ہدایت کی تین علامات بیان فرمائیں:

" اَلْإِنَابَةُ إِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ، وَالتَّجَافِي عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ، وَالِاسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْمَوْتِ"-

یعنی انسان کا رجوع ہمیشہ رہنے والے گھر (آخرت) کی طرف بڑھ جائے، وہ دھوکے کے گھر (دنیا) سے کنارہ کشی کرنے لگے اور موت آنے سے پہلے اس کی تیاری اور فکر میں لگ جائے۔

موت کے بعد کی بیداری

دنیا میں عام طور پر لوگ مرنے والے کے بارے میں کہتے ہیں کہ "اب وہ بڑے آرام سے سو رہا ہے"، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، وہ سویا نہیں بلکہ اب جاگا ہے۔ ایک مشہور قول کے مطابق:

"النّاسُ نِيَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا انْتَبَهُوْا"

لوگ سو رہے ہیں، جب مریں گے تو جاگ جائیں گے۔

ہم دنیا میں غفلت کے خواب میں ہیں، جس دن مریں گے اسی دن آنکھیں کھلیں گی۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ موت کے بعد آنکھیں بند ہو گئیں، مگر قرآن کہتا ہے کہ اس دن تو نگاہیں اور تیز ہو گئی ہیں :فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ"۔ لہٰذا حسنِ خاتمہ کے لیے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت یہ یاد رکھے کہ موت کسی بھی لمحے آسکتی ہے اور اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔

حسنِ خاتمہ کی ایک بڑی علامت اللہ کی طرف رجوع اور نیک اعمال پر مداومت ہے، جس کی طرف قرآن "وَسَارِعُوْا "(دوڑو) اور "وَسَابِقُوْا "(ایک دوسرے سے آگے

بڑھو) کہہ کر اشارہ کرتا ہے۔ دنیاوی مال و منصب میں نہیں، بلکہ اس جنت کی طرف پیش قدمی دکھاؤ جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے:

" جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ"۔

یاد رکھیے! نیک عمل کا ارادہ (داعیہ) جو دل میں پیدا ہوتا ہے، وہ بہت غیرت مند اور حساس ہوتا ہے۔ وہ آتا ہے اور دل پر دستک دے کر فوراً واپس چلا جاتا ہے؛ اگر مؤمن نے اسے غنیمت جان کر عمل کر لیا تو ٹھیک، ورنہ وہ دوبارہ نہیں آتا۔ اسی لیے مسلم شریف کی حدیث میں تاکید کی گئی ہے:

" لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ "

کسی بھی نیکی کو حقیر مت سمجھو، چاہے وہ اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا ہی کیوں نہ ہو۔(صحيح مسلم: 2626 /6690)

کیا معلوم وہی نیکی اللہ کے ہاں کامیابی کا ذریعہ بن جائے۔

انجام کا دارومدار زندگی کے طور طریقے پر

بزرگوں نے ایک نہایت قیمتی نسخہ سمجھایا ہے:

كَمَا تَعِيْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ وَكَمَا تَمُوْتُوْنَ تُبْعَثُوْنَ "

(جیسے جیو گے ویسے ہی مرو گے، اور جیسے مرو گے ویسے ہی اٹھائے جاؤ گے)

اس لیے نیکی کی طرف جانے کا داعیہ پیدا ہو تو فوراً بڑھ جایئے اور نمازوں کا اہتمام کیجیے۔ معجزات کی امید میں نہ رہیں کہ میں بعد میں توبہ کر لوں گا؛ قبرستان ایسے لوگوں سے بھرے پڑے ہیں جو کل توبہ کرنے کے انتظار میں تھے مگر موت نے مہلت نہیں دی۔ موت نے نہ کسریٰ کو چھوڑا نہ دارا کو، اور نہ سکندر کو مہلت دی۔ اگر حسنِ خاتمہ کو ایک جملے میں سمجھنا ہو تو وہ یہ ہے کہ "اگر زمین کی پیٹھ پر ٹھیک رہو گے، تو زمین کے پیٹ میں بھی ٹھیک رہو گے"۔ زندگی اگر اطاعتِ الٰہی میں گزرے گی تو انجام بھی ایمان پر ہو گا۔

حسنِ خاتمہ کے لیے گناہوں سے بچنا ناگزیر ہے، خواہ وہ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا؛ گناہ درحقیقت اللہ کی بغاوت ہے۔ جس طرح ایک چھوٹی سی چنگاری پورے گھر کو جلا کر خاک کر دیتی ہے، اسی طرح بعض اوقات چھوٹا گناہ بھی انسان کے اعمال برباد کر سکتا ہے۔ مسلسل چھوٹے گناہ پر اصرار ہی بڑے گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے انجام کی فکر کرے اور اللہ سے دعا کرے کہ: "اے اللہ! ہمارا انجام بہتر کر دے،

مرتے وقت زبان پر کلمہ طیبہ جاری فرما اور ہمیں پاکیزہ موت نصیب فرما"۔ یہ نہ ہو کہ عمر بھر جنتیوں والے عمل کریں اور آخر میں گمراہی مقدر بن جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے اور مرتے ہی جنت میں داخلہ نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔